برقی تصویر

مفتی شعیب عالم
استاذ و مفتی دارالافتاء جامعہ

(تیسری قسط)

فقہی تبصرہ و تفصیل

فنی تجزیہ اور تحلیل کرتے وقت کیمرے کے ذریعے منظر کشی کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا تھا:

۱:......شبیہ کی تشکیل(Formation)

۲:......شبیہ کا ضبط(Persistence)

۳:......شبیہ کا اظہار(Presentation)

ان تینوں مرحلوں کا حاصل یہ تھا کہ روشنی کی کرنیں عکس بناتی ہوئی کیمرے میں داخل ہوتی ہیں، جسے ''عکس کا حصول'' یا ''شبیہ کی تشکیل'' کہتے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں کیمرے کے اندرونی پرزے پر محفوظ کردی جاتی ہیں، جسے ''عکس کا ضبط'' یا ''شبیہ کا ریکارڈ کرنا'' کہتے ہیں۔ جب کہ تیسرے مرحلے میں محفوظ شدہ اور اخذ کردہ شبیہ کو کاغذ یا پردے پر ظاہر کردیا جاتا ہے، جسے ''شبیہ کا اظہار'' یا ''اس کی نمائش'' کہتے ہیں۔ گویا ''اخذ شبیہ، ضبط شبیہ اور اظہار شبیہ'' ان تینوں مراحل سے گزر کر ایک مصنوعی برقی منظر نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

۱۔ جب کیمرے کے ذریعے کوئی منظر لیا جائے تو اسے عکس بندی کہیں گے یا تصویر سازی؟

۲۔ جب اس منظر کو کسی آلے میں محفوظ کرلیا جائے تو اس محفوظ مواد کو عکس کہیں گے یا تصویر؟

۳۔ اور جب اس ضبط شدہ مواد کو کسی کاغذ یا پردے یا اسکرین پر دکھایا جائے تو اسے عکس نمائی کہیں گے یا تصویر نمائی؟ یہ تین سوالات ہیں اور ان کے جواب پر برقی شبیہ کے حکم کا مدار ہے کہ وہ تصویر ہے یا نہیں؟ نگاہ نگاہ کے فرق سے۔ ان تینوں سوالات کا جواب دو طرح سے دیا جاسکتا ہے:

۱....ایک یہ کہ تینوں مرحلوں میں سے ہر ہر مرحلے کو انفرادی حیثیت سے دیکھا جائے۔

۲....دوسرا یہ کہ تینوں مرحلوں کا مجموعی حیثیت سے جائزہ لیا جائے۔

ہماری یہ بحث اسی وقت جامع اور مکمل کہلائے گی، جب ہم ہر ایک مرحلے پر جزوی اور

انفرادی حیثیت کے ساتھ کلی اور مجموعی اعتبار سے بھی نگاہ ڈالیں۔ اس لئے پہلے ہر مرحلے کا انفرادی حیثیت سے جائزہ لیا جاتا ہے اور پھر تینوں کا بہ حیثیت مجموعی جائزہ لیا جائے گا۔

انفرادی جائزہ

پہلا مرحلہ: حصولِ عکس

اگر پہلے مرحلے تک نگاہ محدود رکھی جائے اور درمیانی اور آخری مرحلے کو نہ دیکھا جائے تو کیمرا آلۂ عکاسی ہے، آلۂ مصوری نہیں، اور وہ تصویر نہیں بناتا بلکہ عکس اتارتا ہے۔ وجہ اس کی تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ ہر کیمرا روشنی کی مدد سے آغاز میں عکس اتارتا ہے اور جب کیمرے نے عکس اتارا تو لامحالہ آلۂ عکاسی ٹھہرا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عکس لینا، دیکھنا اور دکھانا کوئی گناہ نہیں ہے تو کیمرے کے ذریعے منظرکشی میں بھی کوئی قباحت نہیں۔

دوسرا مرحلہ: عکس کا ضبط

دوسرا مرحلہ عکس کے حفظ وضبط کا ہے۔ مختلف کیمرے مختلف طریقوں سے عکس کو محفوظ کرتے ہیں۔ جن کیمروں میں فلم استعمال ہوتی ہے ان میں تو تصویری نقوش کی صورت میں عکس محفوظ ہوتا ہے، جسے تفصیلی پراسس کے بعد انسانی آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس عکس کے تصویر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، اس لئے اس پر گفتگو کو طول دینے کی ضرورت بھی نہیں۔

ویڈیو کیمرے میں صرف برقی اشارے ہوتے ہیں، جب کہ ڈیجیٹل کیمرے میں صرف اعداد ہوتے ہیں جو در اصل برقی لہریں ہوتی ہیں۔ ان اشاروں اور لہروں کو ایسے آلے کے ساتھ ہمرشتہ کر دیا جاتا ہے جو انہیں تصویر میں بدلنے کی قدرت اور صلاحیت رکھتا ہے، چنانچہ ان ہی کی مدد سے بلکہ ان ہی لہروں سے اصل جیسا منظر تشکیل دیا جاتا ہے، جو اصل کی نقل اور مثنیٰ اور اس کی ہو بہو کاپی ہوتا ہے۔۔ گویا مآل اور انجام کے اعتبار سے یہ لہریں تصویر کا مواد ہوتی ہیں اور انہیں بایں معنی تصویر کا مادہ کہنا درست ہے کہ جب انہیں ظاہر کیا جائے گا تو یہ صرف تصویر کی شکل میں ظاہر ہوں گی، مگر اس مرحلے میں اور موجودہ حالت میں انہیں تصویر کہنا سمجھ سے بالا اور بعید از فہم ہے۔ کیوں کہ عکس جب تک ڈسک یا پٹی پر برقی لہروں اور اشاروں کی صورت میں ہو، اُسے عکس کہنا بھی درست نہیں ہے، چہ جائیکہ اُسے تصویر کہا جائے، مثلاً: حروف سے الفاظ بنتے ہیں اور الفاظ سے جملے اور جملوں سے مضمون بنتا ہے۔ اب اگر کسی جاندار کے بارے میں ایسا مضمون قلم بند کیا جائے، جس میں اس کے ظاہری رنگ وروپ، شکل و صورت اور چہرے مہرے کا بیان ہو تو اُسے تحریری منظرکشی کہیں گے، مگر حقیقی تصویر نہیں کہہ سکتے ہیں، کیونکہ حروف کا مجموعہ مضمون اور مجازی تصویر ہوسکتا ہے، مگر حقیقی تصویر نہیں ہوسکتا ہے۔ اسی طرح

برقی لہروں اور اعداد کا مجموعہ بھی حقیقی تصویر نہیں ہوسکتا ہے۔ زیادہ صاف لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ حروف کو تصویر نہیں کہہ سکتے، تو اعداد اور رموز کو کیسے تصویر کہا جائے گا؟

اس کی ایک واضح دلیل کتب حدیث میں ملتی ہے۔ شمائل میں سرکار دو عالم ﷺ کا ایسا دل آویز نقشہ کھینچا گیا ہے کہ حلیہ مبارک آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مصوری کی ہے۔ اسی طرح ایک قادر الکلام شخص جب کسی واقعے کی منظر کشی کرتا ہے تو اپنے زورِ بیان سے غائب کو شاہد کردیتا ہے اور اپنے محسوسات کو یوں متشکل کردیتا ہے کہ سامع کے ذہن میں ایک تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے، مگر اسے تصویر سازی نہیں کہتے۔ شاعر اپنے تخیل کی مدد سے پرچھائیوں کو جذبات اور محسوسات کو زبان دے دیتا ہے، مگر اُسے صورت گری نہیں کہا جاسکتا۔ مصور اگر رنگوں سے تصویر بناتا ہے تو شاعر لفظوں سے، اور شاعر کی بنائی ہوئی تصویر اکثر اوقات مصور کی تصویر سے بازی لے جاتی ہے، مگر الفاظ یا حروف کے ذریعے منظر کشی یا پیکر تراشی کو کوئی بھی حقیقی صورت گری نہیں کہتا۔

بہرحال اس دوسرے مرحلے میں جو کچھ ان آلات میں موجود ہوتا ہے، اسے بایں معنیٰ **عکس یا تصویر کا مواد کہہ سکتے ہیں کہ جب اسے ظاہر کیا جائے گا تو وہ صرف عکس یا تصویر ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا، مگر بحالت موجودہ اُسے حقیقی عکس یا تصویر نہیں کہا جاسکتا۔** (۱)

تیسرا مرحلہ: عکس کا اظہار

تیسرا مرحلہ منظر نمائی کا ہے۔ جو منظر کیمرے نے محفوظ کیا ہے، چاہے وہ فلم پر ہو یا ڈسک پر، رنگ وروغن کی صورت میں ہو یا برقی کرنوں اور مقناطیسی اشاروں کی صورت میں، اب اُسے نگاہوں کے سامنے لایا جاتا ہے۔ یہی اصل مقصود ہوتا ہے اور اس سے پہلے کے تمام مرحلے اسی مقصد کے حصول کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اگر یہ تصویر ہے تو پچھلے دو مرحلے تصویر سازی کے ابتدائی اور ناگزیر مرحلے ہونے کی بناء پر ناجائز ہیں اور اگر یہ عکس ہے تو پچھلے دونوں مرحلے عکس کے مقدمات ہونے کی بناء پر جائز ہیں۔

مجموعی جائزہ

اب تک تینوں مرحلوں کا الگ الگ اور انفرادی حیثیت سے جائزہ لیا گیا اور ہر مرحلے کو مستقل سمجھ کر، علیحدہ جان کر اور ماقبل و مابعد سے صرفِ نظر کرکے اس پر بحث کی گئی۔ مگر حق یہ ہے کہ تصویر کی بحث میں کسی ایک مرحلے کو حکم کے لئے مدار بنانا اور اس کے ماقبل اور مابعد کو نظرانداز کردینا درست نہیں، کیونکہ یہ تینوں مرحلے تو صرف فنی اور تشریحی طور پر سامنے آتے ہیں، ورنہ حقیقت میں ایک ہی مقصد کے حصول کے تین مرحلے ہیں۔ تینوں سلسلہ وار کڑیاں ہیں جو باہم مربوط

اور پیوستہ ہیں اور تینوں کے مجموعے سے کل کی تشکیل ہوتی ہے، مقصود وجود پذیر ہوتا ہے اور نتیجہ کا حصول ہوتا ہے۔ ان تینوں میں فرق اور امتیاز کرنا ایسا ہے جیسے مجسمے کو تو حرام کہا جائے، مگر مجسمہ سازی کے لئے ہتھوڑی سے پتھر پر ضرب لگانے کو اہمیت نہ دی جائے۔ شراب سے نفرت کی جائے، مگراس کی تیاری کے لئے انگور نچوڑنے، پکانے اور چھاننے کے عمل کو غیر سنجیدگی سے لیا جائے۔

مقصد یہ ہے کہ تینوں پر ایک کلی اور مجموعی نظر ڈالنی چاہئے اور پھر ان تینوں میں سے اصل مقصود شبیہ کا اظہار، یعنی تیسرا مرحلہ ہے، اس لئے اسی تیسرے مرحلے کو اہمیت اور وقعت دینی چاہئے، کیوں کہ شبیہ کا حصول اور ضبط اس کے اظہار ہی کے لئے ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو ساری مشق سعی لا حاصل اور پورا مشینی عمل فضول اور رائیگاں ہے۔

اس موقع پر عقل وفہم اور دانش وبینش کا جو فیصلہ ہے کہ مقصودی مرحلے کو چھوڑ کر غیر مقصودی مرحلے پر حکم کی بنیاد نہیں رکھنی چاہئے، یہی قواعد شریعت کا بھی تقاضا ہے، کیوں کہ شریعت بھی مآل اور انجام کو دیکھتی ہے۔ کوئی فعل جس کا حکم آغاز میں معلوم نہ ہو، اس کی شرعی نوعیت جانچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے انجام ومآل اور نتیجے وثمرے کو ابتداء میں موجود فرض کرلیا جائے، اگر نتیجہ جائز نکلتا ہو تو فعل کا آغاز جائز ٹھہرتا ہے اور اگر نتیجہ شریعت کے مخالف نکلتا ہو تو ابتداء بھی ناجائز ٹھہرتی ہے۔ مثلاً: قتل اگر ناجائز ہے تو قتل کی نیت، قتل کی نیت سے تیاری، ہتھیار کا حصول اور اقدام قتل بھی ناجائز ہے۔ ''**الأمور بمقاصدها**'' فقہ کا معروف قاعدہ ہے۔ اس قاعدے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اسکرین پر نمودار ہونے والی صورت تصویر ہے تو اس مقصد کے لئے عکس لینا اور اسے محفوظ کرنا بھی تصویر سازی ہے، اور اگر تصویر سازی معصیت ہے تو معصیت کا مقدمہ بھی معصیت ہے، اس لئے تصویر سازی کے لئے عکس لینا اور محفوظ کرنا بھی معصیت ہے۔

بت ساز جب ہتھوڑی کے ذریعے چھینی پر ضرب لگاتا ہے، آرٹسٹ جب کینوس پر رنگ بکھیرتا ہے، مصور جب قلم کاغذ پر رکھتا ہے تو اسی وقت گناہگار ہوجاتا ہے، بلکہ گناہ کی ابتداء سے بھی پہلے جب کوئی شخص گناہ کا پکا عزم اور مصمم ارادہ کرلیتا ہے تو قواعد شریعت کے مطابق اس کے کھاتے میں گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔

تنقیح مناط: عکس یا تصویر؟

تصویر صاحبِ تصویر کی حکایت ہے، اصل کی نقل وترجمان ہے، انسانی صنعت کو اس میں دخل ہے، قائم وپائیدار ہے، فتنے کا باعث ہے، زائد از ضرورت زیب وزینت ہے، پاکیزہ ارواح کے لئے باعث تکلیف ہے، غیر قوموں کے ساتھ مشابہت ہے، خدا کی صفت تخلیق کی نقالی ہے، اور شریعت کو اس سے سخت نفرت ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر تصویر حرام اور ناجائز ہے۔ اس کے

برعکس، عکس جائز ہے، کیونکہ:

عکس صاحبِ عکس کے تابع ہے، ذوعکس کی پرچھائیاں ہیں، اصل کی ہو بہو کاپی ہے، عارضی اور ناپائیدار ہے، روشنی سے مرکب ہے، قدرتی اور فطری ہے، لحہ بہ لحہ اور لحظہ بہ لحظہ وجود میں آتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔

تصویر سے شریعت کو سخت نفرت ہے، جب کہ عکس کا دیکھنا خود صاحب شریعت سے ثابت ہے۔ اس لئے تصویر کے حرام ہونے اور عکس کے جائز ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف یہ ہے کہ اسکرین پر جو صورت دیکھنے میں آتی ہے، وہ کیا ہے؟ عکس ہے یا تصویر ہے؟ یا دونوں میں سے کس کے قریب ہے؟ اس اختلافی نکتے کو بصیرت کے ساتھ حل کرنے اور اس ضمن میں دیئے جانے والے دلائل کی وضاحت کے لئے شروع میں یہ بحث کی گئی کہ عکس کیا ہے؟ کیسے اتارا جاتا ہے؟ کیسے محفوظ کیا جاتا ہے؟ کیسے دکھایا جاتا ہے؟ اور اس ضمن میں کتنے آلات سے مدد لی جاتی ہے؟ اور ان نئے اور پرانے آلات کا فرق کیا ہے؟ اگر یہ مقاصد نہ ہوتے تو ان مباحث کو چھیڑنا سوائے وقت کے ضیاع کے اور کچھ نہ تھا۔

جو اصل اختلافی نکتہ ہے کہ اسکرین پر ظاہر ہونے والی صورت کیا ہے؟ بعض اُسے ٹیکنالوجی کی جدت، تصویر کا تسلسل اور اس کی ترقی یافتہ شکل کہتے ہیں، جبکہ بعض اُسے آئینے کے عکس کے مانند جائز سمجھتے ہیں۔ دونوں قول اہل علم کے ہیں اور دونوں کے پسِ پردہ دلائل ہیں۔

جواز کی مرکزی دلیل یہ ہے کہ برقی شبیہ عکس کی طرح ناپائیدار ہوتی ہے۔ جب کہ عدم جواز کی مضبوط دلیل یہ ہے کہ تصویر کی طرح صورت محفوظ ہوتی ہے اور عرف میں اسے تصویر سمجھا جاتا ہے۔ دلائل کی یہ جنگ طویل بھی ہے اور شدید بھی۔ ہر فریق اپنی مرضی کا میدان منتخب کرتا ہے اور مرضی کا محاذ کھولتا ہے اور اپنے موقف کی تقویت کے لئے مختلف دلائل کا سہارا لیتا ہے، مگر بنیادی دلائل وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ ان کے علاوہ جو دلائل دیئے جاتے ہیں، وہ اس حیثیت سے ضمنی اور ثانوی نوعیت کے ہیں کہ ان سے اصل دلیل کو تقویت پہنچائی جاتی ہے یا اس کا دفاع کیا جاتا ہے یا جانب مخالف کی دلیل پر یا اس کے دعویٰ پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اور جن دلائل کو مرکزی دلائل سے تعبیر کیا گیا، وہ بھی حقیقت میں دلائل نہیں، بلکہ دعویٰ جات ہیں اور دعویٰ ثبوت کا محتاج ہوتا ہے۔

ہمارا مقصود تمام دلائل کا استیعاب نہیں، بلکہ صرف اُن اہم نکات پر گفتگو ہے جو اس موضوع کے تعلق سے زیرِ بحث آتے ہیں اور ان کے بیان میں بھی استیعاب کے بجائے انتخاب کے اصول پر عمل کیا گیا ہے۔ آگے اُن ہی چیدہ چیدہ نکات کا بیان ہے۔

صنعتِ انسانی

ایک پتھر جہاں پڑا ہے وہیں پڑا رہے گا، ایک درخت جہاں کھڑا ہے وہیں جما رہے گا،

کیوں کہ قانونِ قدرت کے تحت مجبور ہے۔ اسی لئے پتھروں، درختوں اور پہاڑوں پر فردِ جرم عائد کرنے کے لئے عدالت کی کرسی نہیں لگائی جاتی، مگر انسان جرم کرتا ہے تو سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، کیوں کہ اختیار اور قدرت رکھتا ہے اور اسی بنا پر اپنے افعال کا ذمہ دار اور اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہوتا ہے۔ اسی قدرت واختیار پر تمام بنیاد قائم ہے۔

اب ذرا اس فرق پر غور کیجئے کہ عکس اور تصویر میں انسان کا عمل و دخل کس قدر ہے؟ انسان جب آئینے کے سامنے آتا ہے تو آئینے کے روبرو آنا تو اس کے اختیار میں ہے اور خود آئینہ بھی انسانی صنعت گری کا کمالِ شاہکار ہے، مگر عکس وانعکاس میں انسان کے ارادے اور اختیار کا دخل نہیں ہے۔ جب بھی عکس کے اسباب جمع ہوں گے، عکس بن کر رہے گا اور انعکاس ہوکر رہے گا، جیسا کہ جب بھی سورج نکلے گا تو روشنی پھیل کر رہے گی اور جہاں بھی کوئی چیز ہوگی تو اسے دایاں اور بایاں، فوق اور تحت کی اضافت حاصل ہوکر رہے گی۔

دوسری طرف ان برقی آلات کی نمائش گاہوں پر جو صورتیں جلوہ افروز ہوتی ہیں، ان میں انسانی قصد وارادہ اور قدرت واختیار کا بھرپور دخل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ایسی قدآور شخصیت اور بلند پایہ ہستی کا حوالہ مناسب رہے گا، جو عقلائے یونان کی غلطیوں کو درست کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جو اگر چاہتے تو منطق یونان کے مقابل ایک نئی منطق کی بنیاد رکھ سکتے تھے۔ اگر خیال رازیؒ اور غزالیؒ جیسی ہمہ جہت اور جامع شخصیتوں کی طرف متوجہ ہو تو حرج نہیں، جامع المعقول والمنقول، قاسم العلوم والخیرات، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ عقلیات میں ان بزرگوں سے کچھ کم نہ تھے۔ حضرت نانوتویؒ نے عکس اور تصویر میں یہی فرق بیان کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

> ''اتحادِ شکل کی کل دو صورتیں ہیں: ایک تصویر کشی، دوسری انعکاس، سو تصویر کشی تو فعل اختیاری مصور ہے اور تصویر اس کی ساختہ وپرداختہ، اور انعکاس ایک اضافت بے اختیاری ہے اور عکس ایک نتیجہ ضروری..... تقابل تو کسی قدر اختیار میں ہوتا ہے، پھر انعکاس اور عکس دونوں اختیار سے باہر ہیں۔''(۲)

ایک آئینہ پر کیا موقوف!.... انسان جب بھی کسی شفاف چیز کے سامنے آئے گا، چاہے وہ صاف پانی ہو یا چمکدار پتھر ہو یا چمکیلا فرش ہو، اس کا عکس بن کر رہے گا۔ اس لئے نفسِ عکس تو قدرتی اور فطری ہے اور اس کا بننا اختیار سے باہر ہے اور اس سے بچنے کا حکم دینا اصولِ شریعت کے منافی ہے، کیوں کہ شریعت کی عمارت ''عدمِ حرج'' کے اصول پر قائم ہے، جب کہ عکس کی ممانعت اور حرمت سخت تنگی کا باعث ہے۔ اس کے برعکس ان بجلی کے آلات پر جو صورتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں، وہ پوری طرح مصنوعِ انسانی اور اس کی قدرت واختیار میں ہوتی ہیں۔

حضرت نانوتویؒ نے عکس اور تصویر میں جو فرق بیان کیا ہے، لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی

ہے، کیوں کہ تصویر ''باب تفعیل'' کا مصدر ہے اور اس باب کی خاصیت ''جعل وصنعت'' ہے۔ اس لئے تصویر تو ''مصنوع انسانی'' ہوتی ہے اور اس میں انسان کا عمل و دخل ہوتا ہے، مگر نفس عکس انسانی طاقت واختیار سے باہر ہوتا ہے۔

مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ شبیہ کی کل چار قسمیں ہیں:

ا:......سایہ ۲:......عکس...... ۳:......مجسمہ ۴:......تصویر

آگے لکھتے ہیں کہ پہلی دو غیر اختیاری ہیں، اس لئے جائز ہیں اور آخری دو اختیاری ہیں، اس لئے ناجائز ہیں۔

مشہور عرب عالم شیخ ناصر الدین الالبانیؒ کی وہ بحث بھی اس مقام پر مناسب اور برمحل معلوم ہوتی ہے، جو انہوں نے ان لوگوں کی تردید میں فرمائی ہے جو ہاتھ سے بنائی ہوئی اور کیمرے سے کھینچی گئی تصویر میں فرق روا رکھتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

"وقريب من هذا تفريق بعضهم بين الرسم باليد وبين التصوير الشمسي يزعم أنه ليس من عمل الإنسان اوليس من عمله فيه إلا إمساک الظل فقط، كذا زعموا .أما ذلک الجهد الجبار الذى صرفه المخترع لهذه الآلة حتى استطاع أن يصور فى لحظة ما لا يستطيعه بدونها فى ساعات، فليس من عمل الإنسان عند هولاء . و كذالک توجيه المصور للآلة و تسديدها نحو الهدف المراد تصويره ،و قبيل ذلک تركيب ما يسمونه بالفلم ثم بعد ذالک تحميضه و غير ذالک مما لا أعرفه، فهذا أيضاً ليس من عمل الإنسان عند أولئک أيضا....و ثمرة التفريق عندهم أنه يجوز تعليق صورة رجل مثلاً فى البيت إذا كانت مصورةً بالتصوير الشمسي .ولا يجوز ذالک إذا كانت مصورةً باليد، أما أنا فلم أرله مثلاً إلا جمود بعض أهل الظاهر قديماً مثل قول أحدهم فى حديث:" نهى رسول الله ﷺ عن البول فى الماء الراكد". قال : فالنهى عنه هو البول فى الماء مباشرةً ،أمالو بال فى إناء ثم أراقهٗ فى الماء فهذا ليس منهياعنه". (۳)

ترجمہ:...''اس سے ملتی جلتی بات بعض لوگوں کا ہاتھ سے بنائی ہوئی اور عکسی تصویر کے درمیان فرق کرنا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عکسی تصویر کے لینے میں انسان کا عمل و دخل نہیں ہے۔ انسان نے تو صرف سایہ روک دیا ہے، بس اتنا ہی انسان کا عمل و دخل ہے۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے، ورنہ وہ انتھک محنت اور سخت جدوجہد جو موجد نے اس آلے کے ایجاد کرنے پر صرف کی ہے، اور جس کی بدولت وہ لمحوں میں اتنی

تصویریں بنا سکتا ہے جتنی گھنٹوں میں بھی اس کے بغیر نہیں بنا سکتا، وہ ان کے نزدیک انسانی عمل ودخل نہیں ہے۔ اسی طرح جس چیز کی تصویر کھینچنی مقصود ہو، اس کی طرف آلے کو درست کر کے لگانا اور اس سے پہلے اس کے اندر فلم لگانا اور پھر اس کی صفائی، دھلائی اور اس کے علاوہ نجانے کتنے کام! یہ سب کے سب کام بھی ایسے ہیں کہ ان کے نزدیک ان میں انسان کے عمل کو دخل نہیں۔ ان حضرات کے نزدیک دونوں قسم کی تصاویر میں فرق کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ کسی انسان کی عکسی تصویر کو لٹکانا ان کے نزدیک جائز ہوگا، لیکن ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر کو لٹکانا جائز نہیں ہوگا۔

میں نے سوائے بعض قدیم اور خشک اہل ظاہر کے ایسے کوئی لوگ نہیں دیکھے ہیں، جو کہتے ہیں کہ یہ جو حدیث شریف میں ہے کہ: ''حضور اقدس ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے''۔ اس حدیث میں براہ راست پانی میں پیشاب کرنے سے ممانعت ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی برتن میں پیشاب کرے اور اُسے پانی میں بہادے تو اس کی ممانعت نہیں ہے''۔

تصویر کا غیر مرئی ہونا

ڈیجیٹل تصویر کے جواز میں یہ دلیل کثرت کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ ڈیجیٹل کیمرے میں تصویری نقوش کی صورت میں شبیہ محفوظ نہیں ہوتی ہے۔

ماضی میں جب کبھی ٹی وی یا ویڈیو کیسٹ کے جواز میں یہ نکتہ پیش کیا گیا کہ اس کے کیمرے میں صرف برقی اشارے ہوتے ہیں، جبکہ تصویر غیر مرئی ہوتی ہے، تو حضراتِ اکابر نے اسے ایک غیر معقول اور نا قابلِ قبول دلیل کہہ کر مسترد کیا ہے۔ قافلۂ شہداء کے سپہ سالار حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ٹی وی اور ویڈیو فلم کا کیمرا جو تصویریں لیتا ہے، وہ اگرچہ غیر مرئی ہیں، لیکن تصویر بہر حال محفوظ ہے اور اسے کو ٹی وی پر دیکھا اور دکھایا جاتا ہے۔ اس کو تصویر کے حکم سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاتھ سے تصویر بنانے کے فرسودہ نظام کی بجائے سائنسی ترقی نے تصویر سازی کا ایک دقیق طریقہ ایجاد کر لیا ہے۔ لیکن جب شارع نے تصویر کو حرام قرار دیا ہے تو تصویر سازی کا طریقہ خواہ کیسا ہی ایجاد کر لیا جائے، تصویر تو حرام ہی رہے گی۔''(۴)

''تصویر بہر حال محفوظ ہے'' یہی وہ فیصلہ کن نکتہ ہے جو برقی تصویر کو عکس سے جدا کر دیتا ہے۔ آگے جو ارشاد فرمایا کہ ''اس کو ٹی وی پر دیکھا اور دکھایا جاتا ہے'' اس عبارت سے حضرت

شہید حقؒ نے اپنے دعویٰ کہ ''تصویر بہر حال محفوظ ہے'' کو مدلل کر دیا اور اس طرف اشارہ بھی فرما دیا کہ فنی عمل کے نتیجے میں تصویر غیر مشہود ضرور ہے، لیکن ایسا نہیں کہ موجود بھی نہیں۔

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے بھی اس دلیل کو مسترد کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''....صرف اتنی سی بات کو لے کر کہ ویڈیو کے فیتے میں ہمیں تصویر نظر نہیں آتی، تصویر کے وجود کا انکار کر دینا کھلا مغالطہ ہے۔''(۵)

مزید لکھتے ہیں:

''....کتنے ہی لوگ ہیں جو کھپ گئے، دنیا میں ان کا نام ونشان نہیں، مگر ان کی متحرک تصویریں ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہیں، ایسی تصویر کو کوئی.... بھی عکس نہیں کہتا۔''(٦)

جو لوگ کہتے ہیں کہ ویڈیو کیسٹ میں تصویری نقوش کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا، اس بناء پر وہ تصویر کی تعریف سے خارج ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے یہی دلیل اُلٹ کر ان کے خلاف استعمال کی ہے اور اسی دلیل سے جواز کے برعکس عدمِ جواز ثابت کیا ہے:

''....اگر یہ منطق تسلیم کر لی جائے کہ فیتے میں تصویر محفوظ نہیں، معدوم ہے اور ویڈیو کیسٹ میں محفوظ نقوش ٹی وی اسکرین پر جا کر تصویر بنا دیتے ہیں تو اس لاحاصل تقریر سے اصل حکم پر کیا اثر پڑا؟ تصویر محفوظ ماننے کی تقدیر پر ٹی وی صرف تصویر نمائی کا ایک آلہ تھا، اب تصویر سازی کا آلہ بھی قرار پایا کہ صرف تصویر دکھاتا نہیں، بناتا بھی ہے۔ اب تو اس کی قباحت دوچند ہوگئی، یک نہ شد دو شد۔''(۷)

جس حقیقت کو لدھیانہ کے دونوں بزرگوں نے عام فہم اور عوامی انداز میں سمجھایا ہے، ماہنامہ گلوبل سائنس نے اسے فنی اور تیکنیکی اسلوب میں بیان کیا ہے۔ ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ویڈیو کیمرے یا ڈیجیٹل کیمرے میں محفوظ کی گئی شبیہ، طبعی یا ظاہری اعتبار سے شبیہ نہیں ہوتی، لیکن معنوی اعتبار سے شبیہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب شبیہ کے اظہار کا مرحلہ آئے گا تو وہ شبیہ اسی شکل میں ظاہر ہوگی جسے ابتداء میں محفوظ کیا گیا تھا، نہ کہ کسی اور صورت میں، لہٰذا مخصوص سائنسی اصطلاح میں بھی رموز (کوڈز) میں پوشیدہ اس شبیہ کو شبیہ ہی کہا جائے گا۔''

امریکی عدالت اپیل نے بھی ڈیجیٹل ذریعے میں موجود ڈیٹا کو تصویر قرار دیا ہے:

''....ہمارا فیصلہ ہے کہ غیر ڈیویلپ شدہ فلم بصری تصویر ہے.... ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ الزام لگائے جانے والے قانون کی رو سے کمپیوٹر g.i.f files بصری تصویر کی تعریف میں آتی ہیں۔''

انسان میں جہاں اور بہت ساری فطری خصوصیات ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بغیر

نظیر اور مثال کے کسی چیز کے ماننے میں اسے سخت دشواری پیش آتی ہے۔ یوں ماننے کے لئے کہا جائے تو جبراً وقہراً آدمی سب کچھ مان سکتا ہے اور مان لیتا ہے، لیکن اطمینان وآشتی کے لئے وہ نمونہ اور مثال ونظیر کا محتاج ہے۔

ماہنامہ ''بینات'' شوال ۱۴۰۸ھ کے شمارے میں مولانا کبیر احمد نے مختلف نظائر وامثال کے ذریعے سے مذکورہ دلیل پر دلچسپ تبصرہ کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''آیئے! مولانا کا دوسرا اصول بھی دیکھ لیجئے! مولانا نے ان تصویروں کو عکس اور پرچھائیں فرمایا ہے اور دلیل بھی کتنی جاندار کہ: ا:.... ''وہ نظر نہیں آتیں....''

لیکن یہ دنیائے علم کے لئے ایک افسوس ناک حادثہ ہے کہ اتنا بڑا عالم اتنی چھوٹی اور نیچی باتیں کررہا ہے۔ کیا کسی چیز کا نہ دکھائی دینا اس کے نہ ہونے کی دلیل ہے؟ ہزاروں چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں، لیکن ان کے وجود کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس کی نظیریں علوم وفنون کے ہر شعبہ میں ہیں۔ شرعیات میں دیکھئے کہ دواعئ زنا یعنی بوس وکنار جو اسباب زنا ہیں، ان پر وہی حکم لگتا ہے جو زنا کا حکم ہے، یعنی رشتۂ مصاہرت ثابت ہوجاتا ہے، جب کہ زنا بالفعل موجود نہیں ہے، لیکن چونکہ بالقوۃ موجود ہے کہ ان اسباب سے جرم زنا کا صدور ہوسکتا ہے، اس لئے ان پر حکم زنا ثابت کیا گیا۔ اسی طرح ٹیلی ویژن، ویڈیو کیسٹ کے فیتہ پر تصویریں اگرچہ بالفعل نظر نہیں آتی ہیں، لیکن بالقوۃ ہر وقت نظر آرہی ہیں، اس طرح کہ جب چاہے بٹن دبایئے اور ساری تصویریں ٹیلی ویژن کی اسکرین پر ناچنے لگیں، اس لئے بالقوۃ کا حکم وہی ہوگا جو بالفعل کا ہے۔ نحویات میں اس کی مثال لیجئے کہ ضمائر متصلہ جو نظر نہیں آتی ہیں، لیکن تمام اہلِ فن وہاں پر ضمائر کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے وجود کو مانتے ہیں۔ اسی طرح مفعول مطلق اور مفعول بہ میں بعض مقامات پر افعال بظاہر موجود نہیں ہوتے ہیں، لیکن ان کے انکار کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔ ہمارے جسم کی کیفیات: سرور وغم نگاہوں سے مستور ہیں، لیکن ان کے انکار کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔ اعتقادیات کے باب میں خدائے پاک نظروں سے مخفی ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اور سائنسیات کی کتاب اٹھایئے کہ برقی لہریں نظر نہیں آتیں، مگر کوئی ان کے وجود کا انکار نہیں کرتا۔ تو آخر کیا مصیبت ہے کہ زندگی اور علوم وفنون کے ہر شعبہ میں تو کسی چیز کو ماننے کے لئے ظاہری مشاہدہ کو شرط نہیں قرار دیا جاتا، لیکن جب ویڈیو کیسٹ کا مسئلہ آتا ہے تو اس میں رؤیت کی شرط لگادی جاتی ہے، جو

تمام گوشہ ہائے حیات میں ٹھکرائی جا چکی ہے...... اب ارباب نظر خود فیصلہ کرلیں کہ مولانا کی پیش کردہ دلیل کتنی ایٹمی قوتوں کا مجموعہ ہے؟''(۸)

پائیداری اور ناپائیداری کی بحث

جو چیز عکس کو تصویر سے ممتاز کرتی ہے، وہ عکس کا ناپائیدار اور تصویر کا پائیدار ہونا ہے۔ عکس جائز ہے، اس لئے کہ ناپائیدار ہوتا ہے اور تصویر ناجائز ہے، اس لئے کہ پائیدار ہوتی ہے۔ یہی وہ فرق ہے جس کو پوری اہمیت اور وضاحت کے ساتھ سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تصویر کے شرعی احکام'' میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت لکھتے ہیں:

''فوٹو کے آئینہ پر جو کسی انسان کا عکس آیا، اس کو عکس اسی وقت تک کہا جاسکتا ہے جب تک اس کو رنگ وروغن اور مسالہ کے ذریعے قائم اور پائیدار نہ بنادیا جائے، اور جس وقت اس عکس کو قائم اور پائیدار بنادیا، اسی وقت یہ عکس تصویر بن گئی۔''(۹)

مگر قیام وپائیداری سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کیا ہے؟ علماء کا اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں حضرت مفتی اعظمؒ نے اپنی منشاء کے بیان کے لئے جو الفاظ چنے ہیں، اگر وہی پڑھے جائیں اور جو پڑھا جائے وہی سمجھا جائے تو قائم اور پائیدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز اپنے محل پر نقش اور ثبت ہوجائے اور اس طرح قرار پکڑ لے جس طرح حرف کاغذ پر اور رنگ دیوار پر قرار پکڑ لیتا ہے تو وہ قائم اور پائیدار ہے۔ اس تفسیر کی رو سے برقی تصویر حرام تصویر کے ذیل میں نہیں آتی، کیونکہ وہ بایں معنیٰ اپنے محل پر قائم وثابت نہیں ہوتی ہے۔ جو علماء برقی تصویر کو تصویر محرّم نہیں سمجھتے، وہ پائیداری کے اسی مفہوم کو مدنظر رکھ کر تصویر کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

''جاندار کی ایسی شبیہ جو کاغذ، کپڑے یا دیوار جیسی ٹھوس شئے پر نقش ہو۔''

مگر زیادہ حقیقت پسندانہ اور منصفانہ رویہ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کے کلام کے کسی ایک حصے کو ان کا یقینی منشا نہ قرار دیا جائے، بلکہ ان کی دیگر عبارات کو بھی دیکھا جائے، کلام کے سیاق وسباق پر نظر رکھی جائے، اور پورے کلام سے جو مجموعی تأثر ابھرتا ہو، اُسے ان کا منشأ اور مقصد قرار دیا جائے۔ اس طرزِ تعبیر وتشریح سے ایک تو کلام' تضاد اور تناقض سے محفوظ رہتا ہے اور دوسرے اہمال اور ابطال جیسے ناپسندیدہ طرزِ تشریح کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا ہے۔

بلاشبہ مذکورہ بالا عبارت کا ظاہری مفہوم وہی ہے جو جواز کے قائل علماء نے اخذ کیا ہے، مگر حضرتؒ کی ایک دوسری عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ عکس وہ ہے جو اپنی اصل کے تابع ہو اور تصویر وہ ہے جو اصل کے تابع نہ ہو، فرماتے ہیں:

''...اور جب اس عکس کو رنگ وروغن کے ذریعہ شیشہ پر مرتسم پائیدار بنادیا تو

اب یہی عکس تصویر بن گئی، اس لئے اس کے بعد وہ ذی ظل کے تابع نہیں رہتی، صاحب ظل یہاں سے چلا جاتا ہے، مگر تصویر آئینہ پر قائم رہتی ہے۔''(۱۰)

ایک اور مقام پر بھی حضرت نے قائم اور پائیدار کی تشریح ''اصل کے تابع نہ ہونے'' سے کی ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''واقعہ یہ کہ ظل اور سایہ قائم و پائیدار نہیں ہوتا، بلکہ صاحب ظل کے تابع ہوتا ہے، جب تک وہ آئینہ کے مقابل کھڑا ہے تو یہ ظل بھی کھڑا ہے، جب وہ یہاں سے الگ ہوا تو یہ ظل بھی غائب اور فنا ہوگیا...''(۱۱)

ان عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کے کلام میں رنگ وروغن کا ذکر ایک امر واقع کے طور پر ہے اور پائیداری سے حضرتؒ کی مراد یہ ہے کہ اصل کے تابع نہ ہو، شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہی مدظلہ کے بقول:

''رنگ وروغن اور مسالے کی قید احترازی نہیں، بلکہ اتفاقی ہے......حضرتؒ کی یہ قید اتفاقی ہے بیاناً للواقع، نہ کہ احترازی۔''(۱۲)

اور اگر قیام اور پائیداری سے وہی مراد ہو جو جواز کے قائل علماء بیان کرتے ہیں کہ تصویر اپنے محل پر قرار پکڑ لے تو برقی تصویر بایں معنی بھی قائم اور پائیدار ہیں، تاہم اس کا قرار واستقرار اور اس کی پائیداری اس کی نوعیت کے مطابق ہے۔ آگے آئے گا کہ ہر چیز کی پائیداری و ناپائیداری اس کی مخصوص نوعیت کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر علم وفن میں اس کے نظائر مل جاتے ہیں، مثلاً: فقہ کا قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا قبضہ اس کی مخصوص نوعیت پر منحصر ہوتا ہے۔ فقہاء کہتے ہیں: ''قبض کل شیء بمایناسبہ'' بعض چیزوں کو ہم ہاتھ میں لے سکتے ہیں، بعض کو جیب میں ڈال سکتے ہیں، مگر زمین، مکان، جہاز، وغیرہ کے ساتھ یہ عمل نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورتوں میں قبضہ ان اشیاء کی نوعیت کے مطابق حکمی اور تعبیری ہوگا۔ مکان کی کنجی حوالے کردی تو سمجھا جائے گا کہ مکان کا قبضہ دے دیا گیا۔

حروف معانی کا قاعدہ ہے کہ ''فاء'' تعقیب کے لئے ہے، مگر ہر چیز کی تعقیب اس کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ شیخ جمال الدین بن ہشام الانصاریؒ جنہیں ابن خلدون نے ''أنحیٰ من سیبویہ'' کہا ہے، انہوں نے ''مغنی اللبیب'' میں اس کی کئی مثالیں دی ہیں، ان نظائر پر قیاس کرتے ہوئے روشنی کے لئے بھی اس کی نوعیت کے مطابق قرار کی شرط لگانی چاہئے۔ روشنی لطیف کرنیں ہیں اور کرنیں چمک سکتی ہیں، مگر رنگ کی طرح چپک نہیں سکتی ہیں۔ اس لئے روشنی میں قرار وثبات کی شرط لگانا اس میں رنگ کے خواص ڈھونڈنا ہیں۔

علاوہ ازیں جس عہد میں حضرت مفتی صاحبؒ نے مذکورہ تحریر لکھی تھی، اس کے احوال بھی حضرت مفتی صاحبؒ کا منشا سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ حضرت کا رسالہ جیسا کہ معلوم ہے حضرت سید

سلیمان ندویؒ کے جواب میں تھا، حضرت سید صاحبؒ نے فوٹو میں پائیداری کی شرط کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کردیا تھا، ان کی عبارت ہے:

''فوٹو گرافی درحقیقت عکاسی ہے۔ جس طرح آئینہ، پانی اور دیگر شفاف چیزوں پر صورت کا عکس اتر آتا ہے اور اس کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا، اسی طرح فوٹو کے شیشہ پر مقبل صورت کا عکس اترتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس پائیدار اور قائم نہیں رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کرلیا جاتا ہے، ورنہ فوٹو گرافر مصور کی طرح اعضاء کی تخلیق وتکوین نہیں کرتا۔''(۱۳)

حضرت مفتی صاحبؒ کے پیش نظر عکس اور فوٹو کے مابین فرق بیان کرنا تھا اور اس زمانے میں ٹیکنالوجی بس اس حد تک تھی کہ صرف رنگ وروغن کے ذریعہ ہی تصویر کو پائیدار بنایا جاسکتا تھا، مگر اب جب کہ ٹیکنالوجی کی ترقی سے تصویر کو رموز واشارات کی صورت میں بھی محفوظ کرنا ممکن ہوگیا ہے، تو اسے بھی تصویر کہنا چاہئے۔

خود حضرت مفتی صاحبؒ بھی تصویر کے لئے اپنے محل پر چھپ جانے کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اس خیال کی تائید حضرتؒ کے اس فتوی سے ہوتی ہے، جس میں انہوں نے سینما کی تصویر کو بھی تصویر محرم قرار دیا ہے، حالانکہ سینما کے پردے پر صرف روشنیاں پڑتی ہیں اور اس پر اس طرح نہیں چھپتیں جس طرح حروف کاغذ پر چھپ جاتے ہیں:

''اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سینما کا دیکھنا اگر دوسری خرابیوں سے قطع نظر بھی کی جائے تو اس کی ممانعت کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ اس میں تصاویر دکھلائی جاتی ہیں۔''(۱۴)

اس کے علاوہ ساٹھ کی دہائی میں ہمارے ملک میں ٹی وی کی آمد ہوچکی تھی، جس کے بعد ایک مدتِ مدید تک حضرت مفتی اعظمؒ حیات رہے ہیں، مگر اس عرصے کا کوئی ایسا فتویٰ نظر سے نہیں گزرا، جس میں انہوں نے ٹی وی کی تصویر کو ناپائیدار ذرات کی وجہ سے تصویر کی تعریف سے خارج قرار دیا ہو۔ یہ منطقی نقض اس موقع پر وارد کرنا درست ہوگا کہ عدم کو دلیل بنانا درست نہیں، یعنی اگر جواز کا فتویٰ حضرت سے منقول نہیں تو عدم جواز بھی ان سے ثابت نہیں۔ مگر سینما کے بارے میں حضرت مفتی اعظمؒ کا جو فتویٰ اوپر منقول ہوا، اس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ حضرتؒ کے نزدیک ٹی وی کی تصویر بھی حرام تصویر ہی تھی، کیونکہ سینما کی تصویر ٹی وی کی تصویر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ناپائیدار رہے۔

ان حقائق کے باوجود اگر قرار وثبات کی شرط کوئی منصوصی شرط ہوتی تو اس پر اصرار نہ صرف درست اور مناسب تھا، بلکہ از روئے شرع لازم اور ضروری تھا، مگر نصوص میں ایسی کسی شرط کا ذکر نہیں ہے۔ احادیث مطلق ہیں، جن میں بغیر کسی قید کے تصویر کی حرمت وارد ہے۔ محدث العصر

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

’’حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو وعید شدید آئی ہے، وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے....‘‘(۱۵)

فقہاء کا کلام بھی عام ہے، جس میں پائیدار و ناپائیدار کی تخصیص نہیں اور لغت کی دلالت برقی منظر کو بھی شامل ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عرف میں بھی اُسے تصویر سمجھا جاتا ہے۔ لغت اور عرف کی بحث مضمون کے آخر میں آئے گی۔

”والحق أنه لا ينبغي تكلف أى فرق بين أنواع التصوير المختلفة حيطةً في الأمر ونظراً لإطلاق لفظ الحديث“(۱۶)

ترجمہ: ’’حق بات یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ مطلق ہونے پر نظر کرتے ہوئے اور حکم کو جامع بنانے کے لئے تصویر کی مختلف اقسام کے درمیان فرق کا تکلف کرنا مناسب نہیں‘‘۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) اس بحث سے ان آلات کا حکم بھی واضح ہو جاتا ہے جو یاد رکھنے اور محفوظ کرنے کے کام آتے ہیں اور جن میں عارضی یا مستقل طور پر ڈیٹا کو محفوظ کیا جاتا ہے، جیسے سی ڈی (Cd)، ریم (Ram)، وی سی ڈی (vcd)، ڈی وی ڈی (dvd)، فلاپی ڈسک (Floppy Disk) اور ہارڈ ڈسک (Hard Disk) وغیرہ۔

غور کرنے سے ڈیٹا محفوظ کرنے والے یہ آلات چند قسم کے معلوم ہوتے ہیں: بعض وہ آلات ہیں جو عارضی طور پر ڈیٹا کو محفوظ کرتے ہیں، جیسے: ریم وغیرہ۔ جب تک کمپیوٹر کو بجلی کی فراہمی بحال ہے اور کمپیوٹر چل رہا ہے، ریم میں ڈیٹا محفوظ رہتا ہے اور اگر بجلی منقطع ہو جائے یا غلطی سے کمپیوٹر بند کر دیا جائے تو ریم میں موجود سارا کا سارا ڈیٹا ضائع ہو جاتا ہے، اسی لئے ڈیٹا بار بار محفوظ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور جب ہم ڈیٹا (save) کرتے ہیں تو اس کا مطلب ریم سے ہارڈ ڈسک میں ڈیٹا کی منتقلی ہوتا ہے، تاکہ وہ محفوظ رہے۔ کچھ وہ آلات ہیں جن میں مستقل طور پر ڈیٹا محفوظ رہتا ہے، جیسے: ہارڈ ڈسک اور فلاپی ڈسک وغیرہ۔ پھر ان ڈیٹا محفوظ کنندہ آلات میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن میں ڈیٹا پتھر پر لکیر کے مانند ہوتا ہے، مثلاً: ریڈ ایبل سی ڈی، وغیرہ۔ سی ڈی کے برعکس فلاپی ڈسک اور ہارڈ ڈسک میں مقناطیسی خواص کی بدولت ڈیٹا بدلا جا سکتا ہے، گویا یہ قسم ان پرزہ جات کی ہے، جن میں تبدیلی ممکن ہے۔ ’’ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں‘‘ یہ مصرعہ زمانہ حال میں ٹیکنالوجی پر خوب صادق آتا ہے۔ اب سی ڈی میں بھی ڈیٹا کی تبدیلی ممکن ہو چلی ہے۔ بہر حال ان آلات میں جو کچھ بھرا جاتا ہے، اُسے بعد ازاں کمپیوٹر اسکرین، ایل سی ڈی، یا ہائی ایف ٹی کے پردے پر دیکھا جا سکتا ہے۔

سی ڈی وغیرہ آلات کا شرعی حکم وہی ہے جو ایک خالی آڈیو کیسٹ کا ہوتا ہے۔ آڈیو کیسٹ کا حکم اس کے مواد کے تابع ہوتا ہے۔ تلاوت، نعتیں، نظمیں، تقریریں وغیرہ اس میں بھرنا جائز ہے اور ایسی کیسٹ کی خرید و فروخت بھی جائز ہوتی ہے اور اگر اس میں ناجائز مواد بھرا جائے، مثلاً: گانے وغیرہ تو بھرائی کا یہ عمل بھی ناجائز اور اس کا خریدنا بیچنا بھی ناجائز ہوتا ہے۔ یہی حکم سی ڈی، ڈی وی ڈی، وغیرہ کا بھی ہے، البتہ اگر سی ڈی، ڈی وی ڈی، وغیرہ میں علاوہ جان دار کی شکلوں اور صورتوں کے، کوئی اور شرعی محظور نہ ہو تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ جواب کا مدار ان شکلوں اور صورتوں کے تصویر ہونے یا نہ ہونے پر ہے اور ہماری اس کاوش کا مقصد اسی کا تعین کرنا ہے۔

جس سی ڈی میں تصویریں ہوں، وہ اگر سامنے ہو تو نماز بلا کراہت جائز رہے گی، کیوں کہ بحالت موجودہ اس میں عکس یا تصویر کا مواد ہے، حقیقی عکس یا تصویر نہیں اور اگر تصویر فرض کر لی جائے تو فقہ کا مسئلہ ہے کہ تصویر اگر مستور ہو، یعنی تھیلی میں یا جیب میں ہو یا کپڑے میں لپٹی ہوئی ہو

یا مٹی سے لیپ دی گئی ہو تو اس کے سامنے یا اس کے ساتھ نماز بغیر کراہت جائز ہوتی ہے۔ جو اہل علم سی ڈی کا مواد اسکرین پر ظاہر ہونے کے بعد بھی اس کے تصویر ہونے کے قائل نہیں، ان کی رائے پر تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

"(۲۸۴۵) وان طينت رءوس التماثيل بالطين حتى محاها الطين فلم تستبن فلا بأس بذالك (۲۸۴۶) وكذالك لو كان التماثيل فى بيت فأذهبت وجوهها بالطين أو الجص فإن الكراهة تزول به وإن كان بحيث لو شاء صاحبها نزع الطين". (شرح السير الكبير، ص: ۱۴۶۴، ۱۴۶۳، باب مايكره فى دار الحرب ومالايكره، ط: المكتب للحركة الثورية الإسلامية، افغانستان)

ترجمہ: ..... "اگر تصویروں کے سروں کو مٹی سے اس طرح لیپ دیا جائے کہ مٹی اُنہیں مٹادے اور وہ واضح نہ ہوں تو (ایسی تصاویر کے استعمال میں) کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح کسی گھر میں تصاویر ہوں اور مٹی یا چونے سے ان کی شکلیں مٹادی جائیں تو اس طرح کرنے سے کراہت زائل ہو جائے گی، اگرچہ ان کو اس طرح لیپا گیا ہو کہ مالک چاہے تو مٹی ان سے ہٹادے"۔

"لاتكره أمامه من فى يده تصاوير لأنها مستورة بالثياب لاتستبين فصارت كصورة نقش خاتم. ۵۱. ومفاده كراهة المستبين لاالمستتر بكيس أو صرة أو ثوب آخر (قوله: أو ثوب آخر) بأن كان فوق الثوب الذى فيه صورة ثوب ساتر له فلا تكره الصلٰوة فيه لاستتارها بالثوب". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب مكروهات الصلوة، ۱/۶۴۸، ط: سعيد)

(۲) قبلہ نما، ص: ۳۳، مطبع قاسمی دیوبند، سن: ۱۹۲۶ء۔

(۳) آداب الزفاف للألبانی، بحوالہ تکملہ فتح الملہم، کتاب اللباس والزینۃ، حکم الصور الشمسیۃ، ص: ۹۷، ج: ۴، ط: دار القلم، دمشق۔

(۴) آپ کے مسائل اور ان کا حل، فلم دیکھنا، ج: ۸، ص: ۴۴۲، ۴۴۱، ط: مکتبہ لدھیانوی۔

(۵) احسن الفتاویٰ، کتاب الحظر والاباحۃ، رسائل، ٹی وی کا زہر ٹی بی سے مہلک تر، ج: ۸، ص: ۳۰۲، ط: سعید۔

(۶) ایضاً، کتاب الحظر والاباحۃ، رسائل، ٹی کا زہر ٹی بی سے مہلک تر، ج: ۸، ص: ۳۰۲، ط: سعید۔

(۷) ایضاً۔

(۸) ماہنامہ "بینات" شوال المکرم ۱۴۰۸ھ بمطابق جون ۱۹۸۸ء، جلد: ۵۰، شمارہ: ۱۰۔

(۹) تصویر کے شرعی احکام، ص: ۶۰، ادارۃ المعارف، کراچی۔

(۱۰) ایضاً۔

(۱۱) حوالہ بالا، ص: ۵۹۔

(۱۲) ڈیجیٹل کیمرے کی تصویر کی حرمت پر مفصل مدلل فتویٰ، تالیف: مفتی نجم الحسن امروہی، ص: ۱۰۶، ۱۴۴، ط: جامعہ دار العلوم یاسین القرآن۔

(۱۳) مجسمہ اور تصویر کے متعلق اسلام کا شرعی حکم، معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۱۹ء بمطابق محرم الحرام ۱۳۳۸ھ جلد: ۴، شمارہ: ۴۔

(۱۴) تصویر کے شرعی احکام، ص: ۹۰، ادارۃ المعارف، کراچی۔

(۱۵) ماہنامہ "بینات" شعبان ۱۳۸۸ھ، جلد: ۱۳، شمارہ: ۲۔

(۱۶) فقہ السیرۃ، ص: ۳۸۰، شیخ محمد سعید رمضان البوطی رحمۃ اللہ علیہ، بحوالہ تکملہ فتح الملہم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم تصویر الحیوان الخ، حکم الصور الشمسیۃ، ص: ۹۷، ج: ۴، ط: دار القلم، دمشق۔

(جاری ہے)